خواجہ محمد زکریا

حالی اور شیفتہ

اردو تنقید میں بعض غلط آرا نے کلیات کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ ان میں سے ایک رائے یہ ہے کہ حالی کو حالی شیفتہ نے بنایا۔ یہ رائے مبالغہ آمیز ہے۔ اس کا تجزیہ کرنے سے پہلے بعض مشہور نقادوں کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں تاکہ مبالغہ آمیزی کا کسی قدر اندازہ ہو سکے۔ رام بابو سکسینہ نے "تاریخ ادب اردو" میں لکھا ہے:

"دہلی چھوڑنے کے بعد وہ جہانگیر آباد آئے۔ جہاں نواب مصطفٰے خاں شیفتہ کی صحبت میں ان کے رنگ شاعری میں پختگی آئی۔ نواب صاحب کی صحبت ان کی شعر گوئی کی محرک ہوئی تھی، اور یہیں انھوں نے اپنا رنگ بدلا اور مقصد شاعری کو بھی تبدیل کیا۔ اب ان کو پرانے رنگ کی فضول باتیں اور بے لطف مبالغے پسند نہیں آتے تھے۔ کسی چیز کا من وعن بیان سیدھے سادے الفاظ میں، جس میں حقیقی جذبات کا بھی کچھ شمول ہو، اب ان کو مرغوب ہونے لگا۔"

عبدالقادر سروری اپنی کتاب "جدید اردو شاعری" میں لکھتے ہیں:

"شیفتہ بڑے پاکیزہ مزاج اور سنجیدہ مذاق شاعر تھے۔ ان کی تنقیدی قوت بڑی زبردست تھی۔ وہ قدیم طرز کی شاعری کو ناپسند کرتے تھے۔ حقیقت میں یہی آٹھ سال کا زمانہ ہے جس میں حالی کا ادبی مذاق اور کردار بنا۔"

مولانا صلاح الدین احمد کی رائے ہے،

"اس میں قطعاً کلام نہیں کہ شیفتہ اور عبدالقادر دونوں نے اپنے اپنے وقت اور اپنے اپنے حلقہ اثر میں زبان و ادب کا ایک شگفتہ اور اور ترقی پذیر ذوق پیدا کرنے، اسے فروغ دینے اور پھر اس فروغ سے بیش قیمت نتائج حاصل کرنے کی سعئ بلیغ کی اور اپنے مشن میں اس حد تک کامیاب ہوئے کہ اردو کا دامن آج دنیا کے دو عظیم ترین شعرا[۲] کے گہر ہائے سخن سے مالا مال ہے ۔ ۔ ۔ ۔ " غور فرمایئے کہ حالی نے نظم اردو میں جو لافانی کارنامے سرانجام دیئے وہ حالی کی طبع رسا کے باوصف کس کے اثر اور کس کی تربیت کے مرہون ہیں[۳]۔" (دیباچہ دیوان شیفتہ)۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے "جدید شاعری" میں تحریر کیا ہے:

" غالب اور شیفتہ کی صحبتوں نے ان کے سامنے شعر و شاعری کی صحیح اقدار کو پیش کیا تھا۔"

ڈاکٹر وحید قریشی نے مقدمہ شعر و شاعری (مطبوعہ مکتبہ جدید) میں اس خیال کا اظہار کیا ہے:

" زمانے کا رخ بدلنے والے نے دوسروں کی آنکھوں سے دیکھا۔ آنکھیں کبھی غالب کی تھیں، کبھی شیفتہ کی، کبھی ہالرائیڈ کی، کبھی سرسید کی، مجتہد تو

---

[۱] یعنی حالی کے جہانگیر آباد میں قیام کا عرصہ

[۲] مراد ہے حالی اور اقبال۔

[۳] یعنی شیفتہ کی تربیت کے مرہون ہیں۔

غالب، شیفتہ اور سرسید تھے، حالی تو ان کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔"

فراق گورکھپوری "اندازے" میں رقم طراز ہیں:

"حالی کے تغزل پر براہ راست کسی کا اثر پڑ سکتا تھا اور پڑا تو شیفتہ کا۔"

یہ آرا محض "مشت نمونہ از خروار" کی حیثیت رکھتی ہیں ورنہ آل احمد سرور، احتشام حسین، مجنوں گورکھپوری وغیرہ نے بھی حالی پر لکھتے ہوئے کم و بیش انہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ "نقش حالی" مرتبہ ناظر کاکوروی، میں بھی "حالی اور شیفتہ" کے عنوان سے ایک نقاد نے انھیں خیالات کا اعادہ کیا ہے۔

اگر نقادوں کی ان باتوں کو مان لیا جائے تو دو نتیجے نکلتے ہیں۔ اول یہ کہ حالی کی غزل براہ راست شیفتہ کے اثرات کی حامل ہے دوسرے یہ کہ حالی کا نظام تنقید شیفتہ سے ماخوذ ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بطور نقاد شیفتہ کا مقام کیا ہے، حالی کا نظام تنقید کس حد تک شیفتہ سے متاثر ہوا ہے اور حالی کی غزل شیفتہ سے کس حد تک متاثر ہوئی ہے؟

شیفتہ کی تنقیدی تصنیف تذکرہ گلشن بے خار ہے اور حالی کی تنقیدی تصانیف میں سب سے اہم "مقدمۂ شعر و شاعری" ہے۔ شیفتہ کے تنقیدی نظام کا خاکہ پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے تذکرہ نگاروں کے پاس تنقید کی چند مخصوص اصطلاحیں تو ہیں مگر کوئی نظام تنقید نہیں ہے۔ اردو کے مشہور تذکروں کا سرسری مطالعہ بھی اس بات کو واضح کر دے گا کہ تذکرہ نگاروں کا مقصد کسی شاعر کی سیرت کا ہلکا سا خاکہ یا چند اشعار کا انتخاب پیش کرنا ہے۔ بعض اوقات کسی شاعر کے مرتبے کا تعین بھی کیا جاتا ہے مگر بڑے سرسری انداز سے۔

اکثر اس رائے کے اظہار میں شاعر کے تخلص کی رعایت ملحوظ رہتی ہے۔ یعنی سوز

اور آتش کے کلام میں گرمی کا ذکر کیا جاتا ہے اور درد کے کلام میں دردمندی دکھائی جاتی ہے۔ کبھی کبھی یہ رعایتیں درست بھی ہوتی ہیں۔ مگر عموماً صنعت مراعات النظیر کے غیر ضروری استعمال تک محدود ہوتی ہیں۔

بعض نقادوں نے تذکروں کی تنقید کو کھینچ تان کر جدید تنقید سے ملانے کی بڑی کوشش کی ہے مگر یہ نکات بعد الوقوع ہیں۔ تذکروں کے انتخاب اشعار سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ تذکرہ نگاروں کا معیار تنقید لفظی ہے۔ میر نے اپنے تذکرے نکات الشعراء میں اپنے ایک معاصر میر سجاد کا مندرجہ ذیل شعر منتخب کیا ہے:

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے　　جیوں یہ کشتی تری تو بس ڈوبی

اور اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ شعر اتنا اچھا ہے کہ سو جگہ لکھنے کو جی چاہتا ہے۔ شاید میر صاحب پار ہونا، ڈوبنا، تیرنا وغیرہ ایسی لفظی رعایتوں کی وجہ سے اسے پسند کرتے ہوں گے۔

میر نے نکات الشعراء میں اپنے اشعار کا جو انتخاب کیا ہے، اگر محض اسی سے میر کا مقام متعین کیا جائے تو وہ قائم چاندپوری کے درجے کے شاعر رہ جاتے ہیں۔ میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تذکرہ نگاروں کو کوئی نظام تنقید پیش کرنا چاہیے تھا۔ اس زمانے میں اس بات کی توقع اس وجہ سے نامناسب ہے کہ ہمارے تذکرے براہ راست فارسی سے متاثر ہیں، اور فارسی کے تذکروں کا معیار بھی ان سے بہت زیادہ بلند نہیں ہے۔ کہنا صرف یہ ہے کہ تذکرے محض چند اصطلاحوں کو کسی نہ کسی شکل میں پیش کرتے ہیں۔

یہ صورت حالات انگریزی تنقید کے اثرات سے پہلے تک قائم رہی۔ شیفتہ کی تعلیم و تربیت انگریزی اثرات سے پہلے کی فضا میں ہوئی۔ اس وقت بھی اگرچہ

دہلی پر عملی طور سے انگریز حکمران ہو چکے تھے اور دہلی کالج کھل چکا تھا بلکہ ابھی تک پرانا نظام تعلیم نہ صرف رائج تھا بلکہ لوگ اسے نئے نظام کے مقابلے میں ترجیح دیتے تھے۔ اس کے برعکس حالی نے بے قاعدہ تعلیم تو ۱۸۵۷ء سے پہلے حاصل کی مگر انھیں پختہ عمر اس زمانے میں بسر کرنی پڑی جب مغلوں کا برائے نام تسلط بھی ختم ہو چکا تھا، اور انگریزی تہذیب و تمدن کے اثرات تیزی سے پھیل رہے تھے۔ ہندوستان کے باشندے انگریزی تعلیم و تہذیب کی طرف مائل ہو رہے تھے اور مسلمان علی گڑھ کالج سے تعلیم حاصل کر کے بقول اکبر:

"بی۔ اے کیا، نوکر ہوئے، پنشن ملی اور مر گئے"

کے مراحل سے گزر رہے تھے۔ گویا گلشن بے خار اور مقدمۂ شعر و شاعری دو مختلف ادوار میں لکھے گئے۔

گلشن بے خار ۱۸۸۴ء میں اور مقدمۂ شعر و شاعری ۱۸۹۳ء میں مکمل ہوا۔ دونوں کتابوں کے سن تصنیف میں تقریباً ساٹھ برس کا طویل عرصہ حائل ہے۔ اور یہ ساٹھ برس ایسے ہیں جن میں ہندوستان کے طریقۂ تعلیم، معاشرت اور خیالات میں انقلابی تبدیلیاں آئیں۔ ان حالات میں کوئی تعجب کی بات نہیں اگر حالی نے مکمل نظام تعلیم پیش کیا اور شیفتہ محض چند اصطلاحوں کے استعمال تک محدود رہے۔ تعجب ان لوگوں پر ہے جو شیفتہ کو حالی کا پیش رو قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حالی مقلد ہیں اور شیفتہ مجتہد۔

شیفتہ کی تنقیدی صلاحیتوں کے بارے میں ہمارے لکھنے والوں نے بہت غلو کیا ہے اور اسے اعلیٰ درجے کا سخن فہم، نقاد اور محقق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ صرف ایک رائے نمونے کے طور پر پیش کی جاتی ہے جو ایسی تمام آراء کی نمائندگی کرتی ہے:

"گلشن بے خار کے مطالعے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ تذکرہ حقیقت میں اردو شاعری کا پہلا تنقیدی تذکرہ ہے۔ اس سے پہلے جو تذکرے لکھے گئے ان میں غیر متناسب تعریفی اور تنقیصی جملوں کا استعمال بڑی فراخ دلی سے کیا گیا ہے۔ شیفتہ کے یہاں اس قسم کی تعریف و تنقیص بہت کم ملتی ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف ایسے بچے تلے فقرے اور الفاظ جا بجا نظر آتے ہیں جو شاعر زیر نظر کی سخنورانہ کیفیتوں کو بڑی صفائی سے سامنے لے آتے ہیں۔ گلشن بے خار اس تعصب، پاسداری اور جذباتیت سے قطعاً معرا ہے جو اس کے پیش رو تذکرہ نگاروں کی خصوصیت مشترک تھی۔"

(دیباچۂ دیوان شیفتہ۔ مولانا صلاح الدین احمد)

اس عبارت میں بہت سے دعوے بے دلیل ہیں۔ مثلاً یہ کہ شیفتہ کا تذکرہ پہلا معیاری تذکرہ ہے۔ حالانکہ نکات الشعرا (میر)، گلزار ابراہیم (علی ابراہیم) گلشن ہند (علی لطف)، مجموعہ نغز (قدرت اللہ قاسم) وغیرہ شیفتہ کے تذکرے سے قدیم بھی ہیں اور نسبتاً بہتر بھی۔ پھر جتنے تعصب، پاسداری اور جذباتیت کا مظاہرہ گلشن بے خار میں ہے شاید کسی اور قدیم یا جدید تذکرے میں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تذکرۂ گلستان بے خزاں کے مصنف قطب الدین باطن نے لکھا ہے کہ،

"سوائے اپنے گروہ کے چند آدمیوں کے شیفتہ نے کسی کی تعریف نہیں کی۔" گلشن بے خار میں چھ سو چھہتر شاعروں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان میں چھ سو ایسے ہیں جن کے بارے میں کوئی تنقیدی رائے نہیں دی گئی۔ باقی ماندہ شاعروں کے بارے میں صرف یہ کہا گیا ہے۔ از مشاہیر، از مشاہیر اہل سخن، از مشاہیر شعرا، از شعرائے نامی نیکو گفتے، وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ اسے تنقید نہیں کہہ سکتے۔ متقدمین کے بارے میں جو تنقیدی آرا تحریر کی گئی ہیں وہ بیشتر قدیم تذکروں سے لی گئی ہیں اور سپرنگر نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ یہ تذکرہ بہت حد تک مجموعہ نغز سے ماخوذ ہے۔ باقی رہیں شیفتہ کی ذاتی آرا، ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

سوز: "کلامش از جادۂ مستقیمہ برکراں۔"

نظیر: "اشعار بسیار دارد کہ بر زبان سوقین جاری است و نظر باں ابیات وراعداد شعرا نشاید ش شمرد۔"

انشا: "ہیچ صنف را بطریقۂ راسخہ شعرا نگفتہ۔"

جرأت: "چوں از اصول و قوانین ایں فن بہرہ نداشتہ، نغمہ ہائے خارج از آہنگ می سرود و آوازہ اش کہ چوں طبل دور تر رفتہ از آنست کہ پذیرائے خاطر وگوارائے طبع اوباش و الواط حرف می زدہ۔"

میر حسن کی بظاہر تعریف کی ہے مگر دراصل ہجو ملیح ہے:

"مثنوی نیکو میگفتہ۔ مثنوی سحر البیان کہ مشہور بہ بدر منیر است شہرت تمام دارد و قطع نظر از پا لغزہائے شاعری بہ محاورۂ عوام بد نگفتہ۔"

میر اثر: "مثنوی ایشاں شہرت تمام دارد کہ بنای آں بر محاورۂ عوام است و از یں جہت مرغوب عوام (یعنی صاحب ذوق اسے پسند نہیں کرتے)۔

آتش: "مردمان آں دیار آتش و ناسخ راکہ از اساتذہ مسلم آنجاست قریب ہم انگارند و ہر دو را ہم وزن شمارند و قباحت ایں تحقیق لا یخفیٰ علیٰ من لہ حظ من الفہم۔" (یعنی جس شخص کے پاس ذراسی بھی عقل ہے وہ اس تحقیق کی قباحت کو سمجھ سکتا ہے)۔

یہاں یہ واضح نہیں ہوا کہ جس شخص کے پاس ذراسی بھی عقل ہے وہ ناسخ اور آتش میں سے

کسے بہتر قرار دے گا، مگر جہاں ناسخ کا حال لکھا ہے وہاں اس کی تعریف میں بے حد مبالغے سے کام لیا ہے:

"نسیم چمن طبع نکہت ریز و شمیم گل فکرش دلآویز، طائر بلند پرواز غورش جز بشاخ سدرہ آشیاں نسازد و مرغ تیز بال خیالش جز ببام فلک جلوہ نیندازد والا مایہ، عالی پایہ، بلند اندیشہ، نازک خیال است و در تلاش مضمون تازہ و معنی سیراب بے مثل و مثال از اقسام سخنوری بغزل مائل و غیر از غزل دررباعیات۔"

مطلب یہ ہوا کہ جس شخص کے پاس ذرا سی بھی عقل ہے وہ ناسخ کو آتش کے مقابلے میں کہیں بلند پایہ قرار دے گا۔ سوز کے کلام کو راہ راست سے ہٹا ہوا قرار دینا، نظیر کو شاعر نہ سمجھنا، انشاء کی کسی تخلیق کو معیاری قرار نہ دینا، جرأت کے اشعار کو ٹکسال باہر بتانا، میر حسن کی مثنوی کو شاعری کی لغزشوں سے قطع نظر عوامی محاورے کے مطابق اچھا قرار دینا، میر اثر کی مثنوی کو محض عوام پسند کہنا، ناسخ کو آتش پر ترجیح دینا اور اس طرح کی دوسری باتیں اس خیال کو پختہ کر دیتی ہیں کہ شیفتہ کا تذکرہ اکثر قدیم تذکروں کے مقابلے میں غیر معیاری ہے اور اس کا تنقیدی معیار ناقابل تقسیم ہے۔

اب تنقید شعر کے بارے میں شیفتہ کے بعض خیالات پیش کیے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ اس کے ہاں کوئی نظام تنقید موجود ہے یا نہیں اور ان تنقیدی خیالات کی کیا اہمیت ہے؟ نیز حالی کے تنقیدی خیالات سے وہ کس حد تک مختلف ہیں۔ گلشن بے خار کے دیباچے میں شیفتہ نے لکھا ہے:

"واما ریختہ را کہ مختصر تر شمردی و این زبان را دون گمان بردی، ندانی کہ غرض از معانی است پس معنی تازہ بر لفظ طلاقت فزا کہ بستہ شود، ستودنی است و بگوش دل و جان شنودنی۔"

"غرض از مضمون" سے ہمارے نقاد بہت خوش ہوں گے کہ اس دور میں جب لفظی معیاروں کا سکہ چلتا تھا شیفتہ نے شاعری کے لیے معانی کو معیار قرار دیا۔ مگر حقیقت کسی قدر مختلف ہے۔ گلشن بے خار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ "غرض از مضمون" سے مراد وہی کچھ ہے جسے دوسرے لفظوں میں معنی آفرینی یا خیال آفرینی کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی مشہور اور عام مضمون سے عجیب عجیب تخیلی اور غیر حقیقی باتیں پیدا کرنا۔ یہ خصوصیت اردو میں کہیں کہیں غالب کے ہاں اور اکثر جگہ ناسخ کے اشعار میں موجود ہے اور اردو میں فارسی سے غنی، صائب، طالب، بیدل، شوکت، اسیر وغیرہ کے ذریعے آئی ہے۔ ایک تو ناسخ کے بارے میں شیفتہ نے جو کچھ کہا ہے اس سے میری بات کی تائید ہوتی ہے۔ دوسرے ناسخ کے یہاں جو مضامین تازہ موجود ہیں، وہ خیال آفرینی ہی کی ذیل میں آتے ہیں:

عاشق نہیں ہے کوئی درگوشِ یار کا
عالم ہے غرق ایک ہی موتی کی آب میں

بام پر ننگے نہ آؤ تم شبِ مہتاب میں
چاندنی پڑ جائے گی میلا بدن ہو جائے گا

بالے کے تارے ہیں موتی روئے تاباں مہتاب
تیرے آنے سے ابھی بام آسماں ہو جائے گا

دے ڈپٹا تو اپنا مل مل کا
ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا!

آتشِ گل سے آنکھ سینکتے ہیں
کیا زمستاں ہیں کام منقل کا

جو میٹھی میٹھی نظروں سے وہ دیکھے
کہوں آنکھوں کو میں بادامِ شیریں

شاخِ آہو ہیں بھویں آنکھیں ہیں چشمِ آہو
مشکِ نافہ تھا کوئی ناف میں گر تل ہوتا

ان اشعار میں نئے مضامین تو شاید موجود ہیں مگر کوئی صاحب ذوق انھیں اچھے اشعار کہنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ شیفتہ کا یہ معیار ہرگز قابلِ التفات نہیں۔ اس کے علاوہ شیفتہ نے بعض شعروں میں بھی تنقیدی خیالات بھی ظاہر کیے ہیں:

یہ بات تو غلط ہے کہ دیوان شیفتہ
ہے نسخہ معارف و مجموعہ کمالات
لیکن مبالغہ تو ہے البتہ اس میں کم
ہاں ذکرِ خد و خال اگر ہے تو خال خال

وہ طرزِ فکر ہم کو خوش آتی ہے شیفتہ
معنی شگفتہ، لفظ خوش، انداز صاف ہو

شیفتہ سادہ بیانی نے ہمیں چمکایا
ورنہ صنعت میں بہت لوگ ہیں بہتر ہم سے

نرالی سب سے ہے اپنی روش اے شیفتہ لیکن
کبھی دل میں ہوائے شیوہ ہائے میر بھرتی ہے

شیفتہ کیسے ہی معنی ہوں مگر نا مقبول
اگر اسلوب عبارت میں متانت کم ہو

ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ سادگی، شگفتگی، صفائی، متانت، مبالغے کی کمی وغیرہ ان کے نزدیک اچھے شعر کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ مگر یا تو یہ اشعار مقطع برائے مقطع کی حیثیت رکھتے ہیں یا شیفتہ قول و فعل میں مطابقت کو ضروری خیال نہیں کرتے ورنہ ان کا تمام دیوان مبالغے سے بھرا ہوا نہ ہوتا۔ شیفتہ کے دیوان کا تجزیہ کیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رنگ ناسخ کے اشعار آدھے سے زیادہ ہیں، اس کے بعد رنگ مومن کے اشعار ہیں، خصوصاً مومن کے اس رنگ کا تتبع کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس میں تخیل بغیر کسی جذبے اور تجربے کے، شعر کی بنیاد بنتا ہے۔ ایسے اشعار بہت کم ہیں جن کا انداز حالی کی غزلیات سے ملتا جلتا ہے۔ مقطعوں سے کسی شاعر کا نظریۂ شعر اخذ کرنا ویسے بھی غلط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مقطعے میں کہی گئی بات عموماً صرف اسی غزل کے بارے میں ہوتی ہے یعنی کسی شاعر نے اگر کوئی غزل عمداً سادہ کہی ہے تو مقطع میں سادگی کی تعریف کرے گا، اگر غزل پیچیدہ ہے تو مقطع میں مشکل پسندی کو ترجیح دی جائے گی۔ اس کی مثالیں شیفتہ کے ہاں بھی موجود ہیں۔ جہاں اوپر درج کیے گئے شعروں میں سادگی کی تعریف کی گئی ہے، ذیل کے شعروں میں دقیق انداز کی تحسین ہے:

حسرتی گر روش خواجہ نظیری داری
معنی دور طلب کن سخن دور بیار

بجز شناختن فہم ناقص و کامل
دگرچہ سود بود حسرتی ز شعر دقیق

یہی وجہ ہے کہ ایسی آراء کو وقتی جذبے سے زیادہ وقعت نہیں دی جا سکتی خصوصاً جب ان میں تضاد موجود ہو۔

شیفتہ کے برعکس حالی نے پورا تنقیدی نظام پیش کیا ہے۔ مقدمے کے عنوانات کی فہرست دیکھنے سے اس امر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ میں یہاں حالی کے نظام تنقید کا مکمل خاکہ پیش نہیں کروں گا۔ صرف شیفتہ کی تنقید سے مقابلے کی خاطر اس حصے کو سامنے رکھوں گا جس میں اچھے شاعر کی شرائط بیان کی گئی ہیں، اور اچھے شعر کی پہچان بتائی گئی ہے۔ حالی کے نزدیک اچھے شاعر کے لیے صرف موزوں طبع ہونا کافی نہیں۔ شاعری محض کلام موزوں نہیں ہے، یہ وزن اور قافیے سے بے نیاز رہ کر بھی وجود میں آ سکتی ہے۔ شاعر کا تخیل بلند اور مطالعہ وسیع ہوتا ہے۔ اپنے خیالات کو بطریق احسن پیش کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ وسیع اور ذخیرۂ الفاظ پر تصرف رکھتا ہو۔ اگر شیفتہ سے یہ کہا جاتا کہ شاعری وزن اور قافیے کے بغیر بھی وجود میں آ سکتی ہے تو وہ اس بات کو کبھی قبول نہ کرتے۔

اچھے شعر کے لیے حالی نے سادگی، اصلیت اور جوش کی خصوصیات کو ضروری قرار دیا ہے۔ ان خصوصیات کی صحت پر اصرار نہیں مگر اصلیت اور جوش سے شیفتہ بے خبر ہیں۔ سادگی کی حد تک بظاہر دونوں میں اتفاق رائے ہے مگر غور کرنے سے یہاں بھی اختلافات ظاہر ہو جاتے ہیں۔ شیفتہ سادگی کے ساتھ اشرافی زبان کی پخ لگاتے ہیں۔ یعنی عام بول چال کی زبان ان کے نزدیک ہرگز لائق اعتنا نہیں۔ یہاں تک کہ مثنویوں میں جہاں مکالمات میں بول چال کی زبان کا ہونا خوبی سمجھی جاتی ہے۔

شیفتہ کے لیے ناقابل قبول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں مثنوی سحرالبیان، خواب و خیال اور نظیر، انشا اور جرأت کی شاعری ناپسند ہے۔ اس کے برخلاف حالی نے مقدمے میں سحرالبیان کی بول چال کی زبان کی تعریف کی ہے۔ "مضامین حالی" میں گنواری زبان میں لکھنے والے ایک شاعر ولمیر کو ذیل کے الفاظ میں داد دی ہے:

"جو مضمون ایک گنواری زبان میں ادا کیا جائے، اس کا پیرایۂ بیان بھی گنواروں کے محدود خیالات کی حد سے متجاوز نہ ہو، کیونکہ فصاحت درحقیقت اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اس دیوان میں یہی چیز ہے جو ولمیر کے اصلی اور قدرتی شاعر ہونے پر بآواز بلند گواہی دیتی ہے"

شیفتہ نے عوامی زبان کو ناپسند کیا ہے۔ گنواری زبان تو اس سے چار قدم آگے ہی ہے۔ اس بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک معمولی مماثلت کی وجہ سے یہ کہنا نامناسب ہے کہ شیفتہ مجتہد ہیں اور حالی مقلد۔

باقی رہا شیفتہ کا مذاق شعر۔ گلشن بے خار کے انتخاب اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ جہاں ان پر اور بہت سے شعرا کے معمولی اثرات ہیں، وہاں ناسخ اور مومن کے رنگ بہت گہرے ہیں۔ جو اشعار منتخب کیے گئے ہیں ان میں ناسخ کی خیال آفرینی اور مومن کی معاملہ بندی کی صدائے بازگشت ہے۔ اگر ان میں قائم، اثر، سودا، درد، مصحفی، میر حسن، غالب، آتش وغیرہ کے دواوین کا ایسا انتخاب پیش کیا جاتا جس سے ان کی انفرادیت نمایاں ہوتی تو یہ ناسخ اور مومن سے بہت مختلف ہوتا۔ مگر شیفتہ نے محض "ناسخیت" اور "مومنیت" کو قابل التفات سمجھا ہے۔ مثلاً غالب کے اچھے شعر چھوڑ دیے ہیں اور یہ شعر منتخب کیے ہیں:

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سر دامن بھی ابھی تر نہیں ہوا تھا

کافی ہے نشانی ترے چھلے کی نہ دینا
خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت

وہ آرہا ہے مرے ہمسائے میں تو سائے سے
فدا ہوئے در و دیوار پر در و دیوار

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

ایک جا حرف وفا لکھا تھا وہ بھی مٹ گیا
ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
چپ رہو، ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
وائے ناکامی کہ اس کافر کا خنجر تیز ہے

لہ یہ بھی مدنظر رہے کہ اس شعر کے بارے میں ذوق کی رائے بہت اچھی تھی، اسے بار بار پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ غالب کو اپنے اچھے اشعار کی خود بھی خبر نہیں ہوتی۔

کیا کوئی صاحب ذوق کہہ سکتا ہے کہ ان اشعار میں غالب واقعی جلوہ گر ہے۔ یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ اشعار اچھے زمانے میں اچھے تھے۔ مومن، سودا، ذوق کے انتخاب میں بھی ایسے اشعار کی بھرمار ہے:

یہ ناتوان ہوں کہ ہوں اور نظر نہیں آتا
مرا بھی حال ہوا تیری ہی کمر کا سا

(مومن)

تصور میں ترے، کھینچو صبا اس لالہ بالی سے
گلے لگ لگ میں رویا رات تصویر نہالی سے

(سودا)

پھرتا ہے سیل حوادث سے کوئی مردوں کا منہ
شیر سیدھا تیرتا ہے وقت رفتن آب میں

(ذوق)

اب بھی گر یہ سے مجھے فرصت نہیں فوارہ دار
گوکر میں ڈوبا کھڑا ہوں تا بگردن آب میں

(ذوق)

کہاں تلک کہوں ساقی کہ لا شراب تو دے
نہ دے تو جام ڈبو کر کوئی کباب تو دے

(ذوق)

اسی باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہے
کہ تا ہو جائے لذت آشنا تلخی دوراں سے

(ذوق)

لکھیں اسے خط میں کہ ستم اٹھ نہیں سکتا
پر ضعف سے ہاتھوں میں قلم اٹھ نہیں سکتا [1]

(ذوق)

اپنا انتخاب بھی اشعار بالا کے انداز سے مختلف نہیں۔ بالعموم وہی اشعار چنے ہیں جو ناسخ اور مومن کے رنگ میں ہیں۔ مثلاً:

لکھتا ہوں زلیخا آرزوئے قتل میں نامے
ہیں میرے کبوتر بھی ترے تیر کے مشتاق

ازبسکہ دیکھ جلوہ ترا جل گئی بہار
شعلے اٹھے زمین چمن سے بجائے گل

دیکھ کر چشم غضب کو اس کی میں نے رو دیا
چاہیے پانی طالینا شتاب تیز کو

ان مثالوں سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ شیفتہ کا ذوق سخن اپنے عام ہم عصروں سے بہتر نہیں تھا ان کے بعض ایسے ہم عصر، جن کا مذاق شعر روایتی نہیں تھا، ان سے بہتر آرا کا اظہار بھی کرتے تھے۔ غالب کی وہ رائے ہی ذہن میں رکھیے جس میں انھوں نے ناسخ کے مقابلے میں آتش کے ہاں زیادہ تیز نشتروں کی موجودگی کا اعتراف کیا ہے

---

[1] اس غزل کا اچھا شعر چھوڑ دیا ہے:

آتی ہے صدائے جرس ناقۂ لیلیٰ — پر حیف کہ مجنوں کا قدم اٹھ نہیں سکتا

اس کے برعکس شیفتہ نے ناسخ کو ترجیح دی ہے۔

جن لوگوں نے حالی کی کتابوں کا سرسری نظر سے بھی مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حالی کا مذاق شعر شیفتہ سے یکسر مختلف تھا۔ اس کی وجہ بیان کی جا چکی ہے۔ یعنی یہ کہ شیفتہ کی ذہنی تربیت پرانے ماحول میں ہوئی۔ چنانچہ انھوں نے روایتی مذاق شعر کو اپنایا حالی اس دور میں پلے، بڑھے جس میں اجتماعیت کا شعور پیدا ہو رہا تھا۔ حالی اور شیفتہ کے مزاجوں کے درمیان غدر کی دیوار حائل ہے۔ غدر کے وقت حالی کی عمر صرف بیس سال کی تھی۔ یہ کوئی ایسی پختہ عمر نہیں ہے۔ غدر کے بعد جو بعض اجتماعی تحریکیں شروع ہوئیں انھوں نے حالی کے پرانے مذاق شاعری کو بالکل بدل دیا۔ حالی کی تمام کتابیں شیفتہ کی وفات کے بہت بعد شائع ہوئیں۔ جب انجمن پنجاب کی نظم گوئی کی تحریک اور سرسید کی اصلاحی تحریک نے ان کے قدیم طرز کے ایشیائی مذاق کو بہت حد تک بدل دیا تھا۔ خود لکھتے ہیں:

"نواب شیفتہ کی وفات کے بعد پنجاب بکڈپو میں ایک اسامی مجھ کو مل گئی جس میں مجھے یہ کام کرنا پڑتا تھا کہ جو ترجمے انگریزی سے اردو میں ہوتے تھے ان کی عبارت درست کرنے کو مجھے ملتی تھی۔ تقریباً چار برس میں نے یہ کام لاہور میں رہ کر کیا۔ اس سے انگریزی لٹریچر کے ساتھ فی الجملہ مناسبت پیدا ہو گئی، اور نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ مشرقی لٹریچر اور خاص کر عام فارسی لٹریچر کی وقعت دل سے کم ہونے لگی۔"

شیفتہ نے اپنے تذکرے میں ذوق، شاہ نصیر، ناسخ، رند، امانت وغیرہ کی تعریف کی ہے جب کہ حالی نے ان کے بارے میں کوئی کلمۂ خیر نہیں کہا بلکہ جہاں موقع ملا ہے چٹکیاں لی ہیں، اور برے شعروں کی مثالیں بالعموم انھیں کے کلام سے اخذ کی ہیں، اور تو اور انھوں نے اپنے استاد غالب کے بھی ان اشعار کو اچھا قرار

نہیں دیا جو ناسخ کے رنگ میں ہیں۔ مثلاً:

عرض کیجے جوہر اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

حالی کی رائے کے مطابق اس شعر میں اصلیت ہے نہ جوش . . . . اور اصلیت و جوش کی خصوصیات کے بغیر سادگی ان کے نزدیک بے کار ہے۔

حالی نے مقدمے میں بعض جگہ شیفتہ کے منتخبہ اشعار کی تنقیص بھی کی ہے مثلاً ذوق کے یہ اشعار گلشن بے خار میں درج ہیں:

کیا جانے اسے وہم ہے کیا میری طرف سے
جو خواب میں بھی رات کو تنہا نہیں آتا

ہم رونے پہ آجائیں تو دریا ہی بہا دیں
شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا

مگر حالی نے مقدمے میں انھیں برے اشعار کے ماتحت تحریر کیا ہے۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ حالی کی غزلیات پر بھی شیفتہ کا کچھ اثر ہوا ہے یا نہیں؟ حالی نے دیباچۂ دیوان حالی میں لکھا ہے . . . پرانا کلام جتنا ضائع ہونے کے بعد بچ رہا ہے وہ اس مجموعے میں شامل ہے . . . معلوم ہوتا ہے کہ شیفتہ سے متاثر ہو کر کہی جانے والی غزلیں حالی نے قصداً ضائع کر دی تھیں۔ کیونکہ دیوان کی اشاعت کے وقت ان کا مذاق سخن بدل چکا تھا۔ اب بھی حالی کی قدیم غزلیات میں رنگ مومن کے کچھ اشعار موجود ہیں مگر ایک شعر بھی ایسا نہیں ملتا جس پر ناسخ کی پرچھائیں بھی پڑی ہو، حالانکہ دیوان شیفتہ میں ناسخیت کی بھرمار ہے۔

عاشق ہوئے بھی ہم تو عجب شخص کے ہوئے
جو ایک پل میں خون کرے سو ندم کا

گر تیرے تشنہ کام کو دے خضر مرتے دم
پانی ہو خشک چشمۂ آب حیات کا

دل صد چاک میں ہے کاکل مشکیں کا خیال
کہ مجھے گریہ جو آیا تو معطر آیا!

عید کے دن ذبح کرنا اور بھی اچھا ہوا
حلقۂ اسلام میں وہ شوخ داخل ہو گیا

بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ حالی کی قدیم غزلوں یا جدید غزلوں میں اس رنگ کا ایک شعر بھی موجود نہیں۔ یہ وہی خیال آفرینی یا معنی آفرینی ہے جس کی شیفتہ ازحد تعریف کر چکے ہیں۔

اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حالی کی تنقید پر شیفتہ کے تنقیدی خیالات کا کوئی اثر نہیں۔ حالی کا مذاقِ شعر شیفتہ سے بالکل مختلف ہے۔ شاعری میں قدیم غزلیات کی حد تک شیفتہ کا کچھ اثر ممکن ہے موجود ہو مگر بعد کے اشعار قدیم رنگِ سخن سے مختلف خصوصیات رکھتے ہیں۔

آخر میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ حالی پر شیفتہ کے اثرات کے سلسلے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی ابتدا خود حالی کے ایک نثری اقتباس اور ایک شعر سے ہوئی ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ حالی نے ان میں جو کچھ کہا ہے بعد میں اسے بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے۔

اپنی مختصر سی آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

"نواب صاحب جس درجے کے فارسی اور اردو کے شاعر تھے ان کی

"بہ نسبت ان کا مذاق شاعری بمراتب بلند تر اور اعلیٰ تر واقع ہوا تھا ....
میرے وہاں جانے سے (یعنی جہانگیر آباد) ان کا پرانا شعر و سخن کا شوق جو مدت سے افسردہ ہو چلا تھا، تازہ ہو گیا اور ان کی صحبت میں میرا طبعی میلان بھی جو اب تک مکروہات کے سبب اچھی طرح ظاہر نہ ہونے پایا تھا، چمک اٹھا۔ اسی زمانے میں اردو اور فارسی کی اکثر غزلیں نواب صاحب مرحوم کے ساتھ لکھنے کا اتفاق ہوا اور انھیں کے ساتھ میں جہانگیر آباد سے اپنا کلام مرزا غالب کے پاس بھیجتا تھا مگر درحقیقت مرزا کے مشورہ و صلاح سے مجھے چنداں فائدہ نہیں ہوا بلکہ جو کچھ فائدہ ہوا وہ نواب صاحب مرحوم کی صحبت سے ہوا۔ وہ مبالغے کو ناپسند کرتے تھے اور حقائق و واقعات کے بیان میں لطف پیدا کرنا اور سیدھی اور سچی باتوں کو محض حسن بیان سے دلفریب بنانا، اسی کو منتہائے کمال سمجھتے تھے۔ چھچھورے اور بازاری الفاظ و محاورات اور عامیانہ خیالات سے شیفتہ اور غالب دونوں متنفر تھے۔"

یہ بات مدنظر رہے کہ یہ تحریر شیفتہ کی وفات سے تقریباً پینتیس برس بعد لکھی گئی ہے اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حالی نے جو کچھ لکھا ہے اس میں صحت کتنی ہے اور حافظے کا تصرف کتنا؟ ہو سکتا ہے کہ پینتیس برس میں حالی کو اثرات کا صحیح اندازہ نہ رہا ہو اور مرحوم سے عقیدت کے مدنظر انھوں نے یہ بات لکھ دی ہو۔ اس اقتباس میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ شیفتہ کی صحبت میں میرا طبعی میلان ظاہر ہوا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انھیں زندگی میں پہلی دفعہ کچھ مدت کے لیے سکھ کا سانس نصیب ہوا۔ اس میں شیفتہ کے مذاق سخن کا کوئی کمال نہیں۔